Research Journal Ulum-e-Islamia
Journal Home Page: https://journals.iub.edu.pk/index.php/Ulum-e-Islamia/
E-Mail:muloomi@iub.edu.pk ISSN: 2073-5146(Print) ISSN: 2710-5393(Online)
Vol.No: 32, Issue:02. (Jul-Dec 2025) Date of Publication: 27-11-2025
Published by: Department of Islamic Studies, The Islamia University of Bahawalpur

عسکری توازن طاقت کے قرآنی اصول وضوابط کا تجزیاتی مطالعہ

An analytical Study of Qur'anic Principles and Regulations of Military Balance of Power

ڈاکٹر معظم علی
سی ٹی آئی (CTI) گورنمنٹ گریجوئٹ کالج راوی روڈ شاہدرہ، لاہور
Email of Corresponding author: alimoazzam91@gmail.com

Abstract:

An "Analytical Study of Qur'anic Principles and Regulations of Military Balance of Power" would likely focus on issues like legitimacy, restraint, civilian protection, and the distribution of war spoils rather than the modern concept of military balance of power itself. Instead, it would look at how principles from the Qur'an and Islamic traditions provide a framework for military conduct, leadership, and state power. Such studies are often qualitative, drawing on primary sources such as the Qur'an and the Sunnah to analyze the ethical and strategic dimensions of warfare within an Islamic context.

Keywords: Military Balance, Legitimacy, Restraint, Framework

تعارف:

طاقت! کسی بھی ریاست، ملک یا نظام کو متعین و مطلوب میعارات پر چلانے یا ریاستی، ملکی اور انتظامی امور کے بر خلاف کیے جانے والے پروپیگنڈہ، اشتعال انگیزی، دراندازی و سرحدوں پر مسلح یا غیر مسلح کھلی جارحیت کا مؤثر اور سبق آموز جواب دینے کی صلاحیت کو کہا جاتا ہے۔ یہ طاقت کبھی بھی یک رُخی نہیں ہو سکتی بلکہ کہا جائے تو بنیادی طور پر تین عوامل پر انحصار کرتی ہے۔ کبھی اِسے مضبوط معاشی ذرائع کا سہارا درکار ہوتا ہے تاکہ انتظامی امور پر اٹھنے والے اخراجات کا انتظام کیا جا سکے اور کہیں سیاسی معاملات میں جائے پناہ ڈھونڈتی ہے کہ کسی طرح وہاں اِسے جان کی امان ملے اور کبھی کبھی عسکری قوت کے مظاہر میں دیکھائی دیتی ہے تاکہ مخالفین کو زورِ بازو کے ذریعے باور کروایا جا سکے کہ مدِ مقابل مثلِ فولاد بنیان مرصوص جیسی حیثیت رکھتا ہے، اِسے تسخیر کرنا بندہ عام کے بس کی بات نہیں۔

لہذا یہ کہنا بجا طور پر درست ہو گا کہ جس طرح اجتماعی طاقت کے مظاہرہ، کامل و درست ہونا اہمیت رکھتا ہے بعینہ اس کے عوامل میں توازن کا قائم رکھنا و ہونا بھی از حد ضروری امر ہے تاکہ کہیں پر بھی راہِ اعتدال سے ہٹا نہ جا سکے۔ ظلم و زیادتی کو فروغ نہ ملے، ناانصافی نہ ہو سکے کہ ایسے طرزِ عمل سے لوگوں میں بغاوت و نفرت کے عناصر پروان چڑھنے لگتے ہیں جو کہ پھر طاقت کے مظاہر میں تفاوت کا حتمی سبب بننے لگتے ہیں۔ جیسا کہ معاشی ناہمواری مالی وسائل کو ایک مقام پر مرتکز کر دیتی ہے اور مسائل کا انبار کسی نچلے طبقے کے کھاتے میں ہمیشہ کے لیے ڈال دیا جاتا ہے اور وہ اُسی گرداب سے نکلنے کی جدوجہد میں جان، داعی اجل کے سپرد کر دیتا ہے اور اِسی طرح سیاسی عدم

استحکام، سماج کے افراد میں اضطرابی کیفیات پیدا کرتا ہے جس سے معاشرے میں بے سکونی پھیل جاتی ہے اور اِس بے یقینی کے ماحول میں کوئی بھی شخص، کسی دوسرے پر اعتبار کرتا ہے اور نہ ہی قابلِ اعتبار رہتا ہے کہ ایسے میں مصلح ومفسد کی پہچان کرنا خاصا دشوار ہو جاتا ہے۔ عسکری طاقت کا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی ہے کہ اُس میں بے اختیاری ولاچاری بھی گھمبیر حالات کو جنم دیتی ہے جو کہ شدید ردّ عمل کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتی ہے جس کا بین ثبوت حالیہ دور کی جنگوں میں ہونے والے واقعات سے ملتا ہے جیسا کہ امریکہ وافغانستان جنگ، حماس واسرائیل کے درمیان ہونے والے جنگ، ایران واسرائیل کی جنگ۔ اِن جنگوں میں جہاں عسکری طاقت میں عدم توازن نے کئی تصوّرات کو غلط ثابت کیا ہے وہیں کئی طرح کے خدشات کو بھی واضح تر کیا ہے 10 مئی کے معرکہ حق وباطل سے کون آگاہ نہیں۔ کسی طور پر بھی وسائل میں مطابقت نہیں، آبادی کے لحاظ سے، رقبہ کے لحاظ سے، معیشت کے اعتبار سے، دفاعی انتظامات کے حوالے سے حتیٰ کہ ٹیکنالوجی کے اعتبار سے بھی کسی طرح کا بھی توازن دیکھائی نہیں دیتا جبکہ نتائج سابقہ روایات اور عالمی سطح پر قائم امید وتوقعات کے برعکس برآمد ہوئے اور جو ہوئے تو لوگ انگشت بدنداں تھے کہ ایسی چنگاری بھی اس خاکستر میں ہے۔ لہذا کہیں پر عدم توازن بھیانک نتائج لاتا ہے جیسا کہ فلسطین کے معاملے کو دیکھ لیا جائے اور کہیں پر معجزات کا ظہور بھی ہوتا ہے۔ لہذا درجہ ذیل میں طاقت کے توازن کے حوالے سے قرآنی اصول وضوابط کا جائزہ لیا جائے گا تاکہ اصلاحی پہلو نمایاں ہوں اور انتظام وانصرام میں بہتری لائی جاسکے۔

مبحث اول: بنیادی اصول کا تعین

قرآن حکیم میں توازن طاقت کے بنیادی طور پر دو اصول بیان فرمائے گئے ہیں جو کہ درجہ ذیل ہیں:

1۔ اذنِ الٰہی

پہلا اصول یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ طاقت کا توازن رب تعالیٰ کی منشا وذمہ کرم پر منحصر ہے۔ جب وہ ارادہ فرمائے تو توازن قائم ہو سکتا ہے جس کے لیے معاشی، سیاسی یا عسکری وسائل کی چنداں ضرورت نہیں ہوتی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ[1]

بہت دفعہ چھوٹی جماعت اللہ کے حکم سے بڑی جماعت پر غالب آئی ہے۔

2۔ حکمتِ الٰہی

دوسرے اصول کے مطابق طاقت کے توازن کو قائم رکھنے کے لیے لوگوں کے جتھوں کو بروئے کار لایا جاتا ہے جو کہ اسی کی حکمتوں سے بھرا ہوا ہے کہ وہ کیسے اور کن لوگوں کے ذریعے اس توازن کو برقرار رکھے گا؟ جیسا کہ قرآن حکیم میں ذکر کیا گیا ہے۔

وَ لَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍۙ-لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ[2]

اور اگر اللہ لوگوں میں ایک کے ذریعے دوسرے کو دفع نہ کرے تو ضرور زمین تباہ ہو جائے مگر اللہ سارے جہان پر فضل کرنے والا ہے۔

ایک اور مقام پر اسی مضمون کی مزید وضاحت فرمائی گئی کہ اگر اللہ تبارک وتعالیٰ لوگوں کے ذریعے توازن کے طریقے کو قائم نہ رکھتا تو زمین میں کسی کی عبادت گاہ محفوظ نہ رہتی۔ جیسا کہ:

وَ لَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَ بِيَعٌ وَّ صَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًاؕ[3]

اور اللہ اگر آدمیوں میں ایک کو دوسرے سے دفع نہ فرماتا تو ضرور ڈھادی جاتیں خانقاہیں اور گرجا اور کلیسا اور مسجدیں جن میں اللہ کا بکثرت نام لیا جاتا ہے۔

مذکورہ بالا دونوں اصول خالق ومالکِ کائنات کی طرف سے متعین کردہ ہیں، جنہیں وہ اپنی حکمتوں کے ذریعے بروئے کار لاتا ہے لیکن اس کے علاوہ فرد کے ہاتھوں میں کن اصول وضوابط کو تھمایا گیا ہے جن کے ذریعے الٰہی ہدایات کی روشنی میں خود کی فہم وفراست کے مطابق کوئی نظام وضع کرے اور اُس وضع کردہ نظام ہائے زندگی کے باعث دنیا میں طاقت کا توازن برقرار رہے اور فسادات فی الارض کی روک تھام کی جاسکے۔ اُن مذکورہ اصول وضوابط کو پیش نظر رکھتے ہوئے موضوع بحث کو مندرجہ ذیل ابحاث میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

مبحث دوم: نصرت الٰہی

قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اپنی نصرت کا وعدہ اُن لوگوں سے فرمایا ہے جو دنیا میں عدل وانصاف کا بول بالا کرنے، ظلم وزیادتی کا قلع قمع کرنے اور سماجی سطح پر خود کی ذات پر ہونے والی ناانصافیوں کا ازالہ کرنے کے لیے جدوجہد کرتے ہیں اور اُن کی اِس جدوجہد کی وجہ سے حق غالب آتا ہے اور باطل کی طاقت شکست سے ہمکنار ہوتی ہے جس سے توازن طاقت برقرار رہتا ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ-وَ لَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَ لَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا-يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا-وَ مَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ[4]

اللہ نے تم میں سے ایمان والوں اور اچھے اعمال کرنے والوں سے وعدہ فرمایا ہے کہ ضرور ضرور انہیں زمین میں خلافت دے گا جیسی ان سے پہلوں کو خلافت دی ہے اور ضرور ضرور اِن کے لیے اِن کے اُس دین کو جمادے گا جو ان کے لیے پسند فرمایا ہے اور ضرور ضرور ان کے خوف کے بعد ان (کی حالت) کو امن سے بدل دے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے، میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے اور جو اس کے بعد ناشکری کرے تو وہی لوگ نافرمان ہیں۔

مذکورہ بالا صفات وخصوصیات کو بیان فرمانے کے بعد جب اُن لوگوں کو خلافت کے منصب پر فائز کیا جائے گا، زمام اقتدار اُن کے ہاتھوں میں ہوگی تو اُس جماعت کے فرائض کو بھی واضح فرمادیا گیا تاکہ راہ راست سے بہک نہ جائے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ[5]

وہ لوگ کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار دیں تو نماز قائم رکھیں اور زکوٰۃ دیں اور بھلائی کا حکم کریں اور برائی سے روکیں۔

مذکورہ قواعد وضوابط کے مطابق رب تعالیٰ نے کسی بھی قوم کو خود کی جناب میں چہیتا قرار نہیں دیا بلکہ بنیادی شرائط کو بیان کرکے واضح فرمادیا کہ دنیا کے خطوں پر حکمرانی کا منصب صرف اُسے سونپا جائے گا جو اقامتِ دین میں جدوجہد کرے، شعائر کی حفاظت کرے اور امن وامان کو برقرار رکھنے کی خاطر عدل وانصاف کو نہی عن المنکر کی ضمن میں پیش نظر رکھے اور ضروری اقدامات کو بروئے کار لائے تاکہ احکام الٰہی کی بجاآوری ہوتی رہے اور دنیا امن کا گہوارہ بن جائے جبکہ عصری حالات اِسی بات کے متقاضی ہیں کہ الٰہی نظام کو جتنا جلدی نافذ کیا جائے اُتنا ہی بہتر ومفید ثابت ہوگا تاکہ دنیا جس قدر بھیانک انجام کی طرف بے لگام گھوڑے کی طرح سرپٹ ڈورے جارہی ہے اس سے بچایا جاسکے بصورت دیگر تباہی وبربادی آج کے انسان کا مقدر ٹھہر چکی۔

مبحث سوم: ریاست کا اندرونی استحکام

ریاستی اداروں کا انتظامی و قانونی اُمور میں باہم مربوط و مضبوط ہونا اندرونی استحکام کی علامت گردانا جاسکتا ہے کیونکہ جب تک ملکی سطح پر عوامی مفاد کے لیے قائم کئے گئے ادارے متعین کردہ حدود قیود کی پابندی نہیں کریں گے، آئین و قانون کے مطابق خدمات سرانجام نہیں دیں گے تب تک عوام کا اعتماد بحال نہیں ہو گا اور جب رعایہ کا اعتماد مجروح ہو جاتا ہے تو کسی بھی ناگہانی آفت کی صورت میں انتشار و خلفشار پھوٹنے کے خدشات بڑھ جاتے ہیں کیونکہ ملک دشمن عناصر بھی اِسی گھات میں تاک لگائے بیٹھے ہوتے ہیں کہ کہیں پر جست لگانے کا موقع ملے اور کاری وار کرکے امن وامان کی صورتِ حال کو بگاڑ دیا جائے اور نفرت وتعصب کے آلاؤ کو متفرق جہات سے ایندھن فراہم کرکے فرقہ واریت کی آڑ میں خون کی ندیاں بہائی جائیں تاکہ ریاستی نظام کی گرفت کمزور ہو جائے اور بدامنی وخانہ جنگی کو بڑھانے کی دیرینہ خواہشات وتوقعات کو عملی جامہ پہنایا جاسکے۔

اس لیے دیگر عوامل کے ساتھ ساتھ یہ امر بھی از حد ضروری ہے کہ عسکری طاقت توازن کے حصول کے لیے ریاست کے اندرونی معاملات مستحکم ہوں اور کسی فرد واحد کو عدم استحکام پھیلانے کی ہر گز اجازت نہ دی جائے کہ ذاتی بغض وعناد کے ذریعے ملک کو بدامنی کی راہ پر لا کھڑا کرے۔ لہٰذا درجہ ذیل عوامل کے بارے میں ملکی سطح پر ایک ہمہ گیر فکر پروان چڑھائی جانی چاہیے کہ خود کی ذات سے بالاتر ہو کر اجتماعی مفاد کو مقدم رکھا جائے اور اجتماعیت کو پیش نظر رکھنے سے یہ مراد ہر گز نہیں لی جانی چاہیے کہ فرد کی ذات کو پسِ پُشت ڈال دیا جائے، اس کے مسائل ومشکلات کو پرکاہ کی وقعت نہ دی جائے، اس کے شکوہ وشکایات کا ازالہ نہ کیا جائے بلکہ ایسے افراد کی بروقت اور مؤثر دلجوئی کی جانی چاہیے اور حتی الوسع کوشش کی جانی چاہیے کہ اُن کے ساتھ ایسا برتاؤ روا نہ رکھے جائے جس سے انہی ذہنوں میں ملکی اداروں، املاک اور شناخت سے احساس لاتعلقی کی فکر پروان چڑھے لیکن جہاں اجتماعیت کا معاملہ ہو، ملکی مفادات مقدم رکھے جانے چاہیے وہاں اُنہیں احساس ذمہ داری و سیاسی بلوغت کا بھی برملا اظہار کرنا چاہیے۔ لہٰذا درجہ ذیل عوامل کو ہر فرد خود کی ذات پر ممکنہ صورت میں لاگو کرے اور مقدم جانے۔

1۔ سیاسی ومعاشی استحکام

سیاست کا لفظ وسیع المعنی لفظ ہے، اس کا تعلق معیشت سے بھی ہے، تعلیم سے بھی ہے، اخلاق سے بھی اور فن وحرب وضرب سے بھی لیکن ملکی سطح پر ایسی فکر پنپ رہی ہے جس کے مطابق سیاست صرف اقتدار واختیار حاصل کرنا ہے باقی کارِ بیکار است، عملِ سیاست کا اُن سے دور کا بھی واسطہ نہیں جبکہ حقیقتِ اس کے برعکس ہوتی ہے کیونکہ کارہائے حیات میں کوئی بھی عمل ایسا نہیں جسے سیاست کی ضرورت نہ ہو، معیشت ہے تو اسے بھی ضرورت ہے تاکہ بندہ صرف مال ودولت کا بجاری بن کر نہ رہے جائے بلکہ اپنے ہم وطن ومعاشرے میں رہنے والے دیگر محتاج لوگوں کی ضروریات کو بھی پیش نظر رکھے اور انہیں پورا کرنے کی تگ ودو کرے اور اس کے لیے اسے سیاسی افکار ونظریات سے آگاہی ہونا از حد ضروری ہے۔

اسی طرح شعبہ تعلیم بھی ہے کہ اگر صدیوں پرانا طرزِ تعلیم وتعلم ہی بروئے کار لایا جاتا رہا تو افراد معاشرہ کو عصری علوم سے کیسے ہمکنار کیا جاسکے گا لہٰذا یہاں بھی سیاست کا عمل ودخل لازمی امر ہے اور اسی طرح فن حرب وضرب کو ہی لے لیا جائے تو تاریخ شاہد ہے کہ قوموں کے عروج وزوال میں دیگر عوامل کے ساتھ ساتھ ایک اہم وبنیادی عنصر جنگی علوم وفنون سے ناواقفیت بھی ہے کیونکہ جہاں ایک قوم خود کو جدید ذرائع نقل وحمل اور آلات سے مزین کرتی رہی وہیں دوسری و مدِ مقابل قوم نے اس میں سستی برتی جس کے سبب میدان جنگ میں شکست وریخت سے دوچار ہونا اس کا مقدر لکھ دیا گیا لہٰذا یہاں بھی سیاسی عوامل کا بھرپور عمل ودخل دیکھائی دیتا ہے

کیونکہ انہیں کے ذریعے ہی جدت لائی جاسکتی ہے اور دیگر اقوام کے ہم پلہ کھڑے ہونے کی صلاحیت حاصل کرنے کی جوت جگائی جاسکتی ہے۔ لہذا یہ واضح ہوا کہ ملکی سطح پر سیاست و معیشت کا چولی دامن کا ساتھ ہے کہ ایک میں بگاڑ پیدا ہو گا تو لا محالہ دوسرے میں خرابی آتی جائے گی اور جب یہ دونوں پہلو دگرگوں ہوں گے تو کسی بھی طرح ممکن نہیں کہ عسکری سطح پر استحکام لایا جاسکے کیونکہ عسکری طاقت میں توازن پیدا کرنے کے لیے عمل سیاست کے ذریعے رعایا کو پر سکون رکھنا ممکن ہو سکے گا تاکہ وہ ملکی معاملات میں اپنے خدمات کو شامل کرے۔ جہاں اُن کی طرف سے اخلاقی حمایت درکار ہو تو وہ آسانی کے ساتھ میسر ہو اور جہاں مالی معاونت کی ضرورت پڑے تو وہ خوش اسلوبی کے ساتھ ٹیکسز ادا کرے اور آلات حرب وضرب کی بر آمدگی میں سہولت پیدا ہو کیونکہ ملکی دفاع کا معاملہ کسی فرد واحد سے منسلک نہیں ہوتا۔ یہ ایک اجتماعی مفاد سے وابستہ معاملہ ہوتا ہے جس میں شش جہات سے تعاون درکار ہوتا ہے اور اہل اسلام کے لیے قرآن نے ایک سنہرا اصول مقرر فرمار کھا ہے کہ:

وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى ۪ وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ [6]

ور نیکی اور پرہیز گاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ کرو

تو مذکورہ بالا آیت کی روشنی میں دیکھا و پرکھا جائے تو ملکی دفاع سے بڑھ کر کوئی بھی دوسرا عمل اجتماعیت کے تحفظ کا ضامن نہیں ہو سکتا ہے کہ سرحدیں محفوظ ہوں گی تو جان و مال بھی محفوظ ہو گا اور جان و مال جہاں محفوظ ہو گا وہیں لوگوں میں تحفظ کا احساس یقینی حد تک جاگزیں ہو گا۔

2۔ اطاعت امیر

عسکری سطح پر امیر کی اطاعت فتح و شکست کا تعین کرنے میں جزو لاینفک کی حیثیت رکھتی ہے۔ کسی گروہ، جماعت یا بٹالین کی خدمات کو جانچنا ہو تو اولین طریقہ کار اس کی اطاعت گزاری کے شعار کو دیکھنے سے ہی معلوم کیا جاسکتا ہے کہ مستقبل میں کسی دشمن سے مڈ بھیڑ ہونے کی صورت میں کیا ممکنہ نتائج بر آمد ہو سکتے ہیں۔ اگر امیر کی اطاعت سے وہ گروہ یا جماعت سرشار ہے تو فتح و شکست کے تخمینے ایک طرف بھی رکھ دئے جائیں تو بھی جان نثاری و جاں فشانی کے کارنامے اس گروہ کے ماتھے کا جھومر ہوں گے جن کا معترف ان کا دشمن بھی ہو گا کہ ہار و جیت کا فیصلہ، نفع و نقصان کا تخمینہ تو بعد کے تعاملات ہیں لیکن جس بہادری سے مصائب کا سامنا کیا گیا، اُن کی نظیر تلاش کرنا ممکن نہیں۔ لہذا کوئی بھی جنگ ہو اس میں اطاعت امیر کی روش طے کرتی ہے کہ عسکری لحاظ سے کس فوج کا پلڑا بھاری ہو گا اور کون ناکوں چنے چبوائے گا اور اسی پہلو کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اہل اسلام کو بھی امیر کی اطاعت کرنے کی ترغیب بلا حیل و حجت دی گئی ہے تاکہ مصائب کا جواں مردی سے مقابلہ کرنے کی ہمت پیدا ہو سکے اور ایک جسم کی مانند سبھی باہم مل کر دفاع کو ناقابل تسخیر بنا دیں جیسا کہ فرمان عالیشان ہے کہ:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ [7]

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان کی جو تم میں سے حکومت والے ہیں۔

اور فرمان نبوی ﷺ بھی ہے کہ

اسْمَعُوا وَأَطِيعُوا، وَإِنِ اسْتُعْمِلَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ، كَأَنَّ رَأْسَهُ زَبِيبَةٌ[8]

سنو اور اطاعت کرو اگرچہ تم پر کسی حبشی غلام ہی کو حاکم مقرر کر دیا جائے، جس کا سر کشمش کی طرح (چھوٹا سا) ہو۔

پس واضح ہوا کہ عسکری طاقت کے توازن میں امیر کی اطاعت جزو لاینفک کی حیثیت رکھتی ہے جس کے سبب جنگ میں فتح وشکست کا فیصلہ آسان تر ہو جاتا ہے لہذا اطاعت کا دامن کسی صورت بھی ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے۔

3۔ عوام میں اتحاد واتفاق

احساسِ قومیت وجذبہ ذمہ داری دو ایسے عوامل ہیں جو کسی بھی قوم کو بنیان مرصوص بنانے میں کلیدی کردار ادا کرتے ہیں۔ اگر کسی قوم میں خود کی قومیت کے حوالے سے احساس کمتری ہو گا، تردد و تجسس میں مبتلا ہوں گے اور غیر یقینی صورت حال سے دوچار رہیں گے تو کیسے ممکن ہے کہ وہ خود سے کمزور وناتواں قوم سے بھی مغلوب نہ ہو جائیں؟ انہیں کی طاعت گزاری کو اپنا قومی شعار نہ بنالیں کیونکہ انہیں خود کے بارے میں شکوک شبہات مبتلا کر دیا گیا، انہیں ایک کثیر الجہتی پروپیگنڈا کے ذریعے یقین کامل دلا دیا گیا کہ تمہارا جس وطن یا جس قوم سے تعلق ہے، اس کی ملکی روایات کسی تفاخر کی امین نہیں، اسلاف نے ایسا کوئی کارنامہ سرانجام نہیں دیا جس کی بنیاد پر تمہیں احساس قدامت پسندی سے واسطہ پڑے لہذا زمانہ ماضی سے تم غلامانہ زندگی بسر کرتے آئے ہو اور آئندہ بھی تم میں ایسی کوئی صفت دور دور تک پیدا ہوتی دیکھائی نہیں دیتی جو تمہیں بلندیوں وسرفرازیوں سے ہمکنار کر سکے لہذا محکوم رہ کر ہی گزر بسر کرنا ہو گا۔

جب ہر سُو ایسا زہریلہ پروپیگنڈا ہمہ وقت جاری ہو تو کچھ نوخیز اذہان کا بہک جانا فطری عمل گردانا جاسکتا ہے کہ انہیں اپنی قوم، اپنے وطن کے بارے میں آگاہی نہیں ملی ہو گی اور انہیں اُن لازوال قربانیوں کی خون آلود داستانیں نہیں سنائی گئیں ہوں گی جن میں اسلاف نے جذبہ ایمانی سے جان بھی پیش کی اور ایثار کا مظاہرہ بھی اس انداز سے کیا کہ چشم فلک نے پھر کبھی وہ نظارہ دوبارہ نہ دیکھا ہو گا۔ جس کا آغاز بدر سے ہوا اور اختتام کرب وبلا کے مقام پر۔ لہذا عوام میں اتحاد واتفاق کا ناپید ہونا طاقت کے توازن کو عدم توازن سے ہمکنار کر دیتا ہے اور یہی اتحاد واتفاق کا موجود ہونا اسے بنیان مرصوص بنا دیتا ہے اور حکم الٰہی بھی یہی ہے کہ:

وَ اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا [9]

اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ تھام لو اور آپس میں تفرقہ مت ڈالو

4۔ حفاظتی اقدامات کو یقینی بنانا

عسکری طاقت توازن کے لیے دیگر لوازمات کے ساتھ ساتھ سرحدی حدود کے اندرونی وبیرونی سطح پر حفاظتی انتظامات سے متعلقات کو اپنی کامل استطاعت کے مطابق یقینی بنانا بھی شامل ہے۔ اندرونی اقدامات میں ملک دشمن عناصر کے بارے میں ہونے والی تخریب کاریاں، سازشیں اور فکری لحاظ سے علمی وعملی طور پر ہونے والے پروپیگنڈا سے ہمہ وقت آگاہ رہنا شامل ہے جبکہ سرحدوں سے بیرونی عوامل سے محفوظ رہنے کے لیے فوج، مطلوب اسلحہ اور مستقل نگرانی کے لیے ضروری آلات کا موجود ہونا شامل ہے۔

قرآن حکیم سے اس بارے میں کامل رہنمائی سورۃ الکہف سے ملتی ہے کہ جب حضرت ذوالقرنینؑ ایسی قوم کے پاس پہنچے جسے یاجوج وماجوج اپنے شر پسند عناصر کی وجہ سے پریشان کیا کرتے تھے تو اُس قوم نے آپ سے درخواست کی کہ ایک ایسا بند یا دیوار تعمیر کر دی جائے جس سے اُن کا راستہ بند ہو جائے جس کا ذکر مندرجہ ذیل آیت میں کی گیا ہے کہ:

قَالَ مَا مَكَّنِّيْ فِيْهِ رَبِّيْ خَيْرٌ فَاَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهُمْ رَدْمًا۔ اٰتُوْنِيْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ-حَتّٰۤى اِذَا سَاوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انْفُخُوْا-حَتّٰۤى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا-قَالَ اٰتُوْنِيْۤ اُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا [10]

(ذوالقرنینؑ نے) کہا: جس چیز پر مجھے میرے رب نے قابو دیا ہے وہ بہتر ہے تو تم میری مدد قوت کے ساتھ کرو، میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط رکاوٹ بنادوں گا۔ میرے پاس لوہے کے ٹکڑے لاؤ یہاں تک کہ

جب وہ دیوار دونوں پہاڑوں کے کناروں کے درمیان برابر کر دی (تو ذوالقرنینؑ نے) کہا: آگ دھنکاؤ۔ یہاں تک کہ جب اُس لوہے کو آگ کر دیا تو کہا: مجھے دو تا کہ میں اس گرم لوہے پر پگھلایا ہوا تانبہ اُنڈیل دوں۔

مذکورہ بالا الفاظ سے واضح ہوتا ہے کہ قوم کی حفاظت سے لیے اپنی کامل استطاعت کے مطابق حفاظتی انتظامات کو یقینی بنانا لازمی امر ہے تا کہ شریر عناصر کا سدباب کیا جاسکے اور قوم کے مال واسباب کو محفوظ بنایا جاسکے۔

5۔ استطاعت کے مطابق تیاری کرنا

عسکری معاملات میں دو طرح کی حکمت عملی عام طور پر سبھی اقوام میں اختیار کی جاتی ہے جس میں ایک اقدامی حکمت عملی ہے کہ جس میں ایک قوم، حملہ آور قوم کو اپنی سرحدوں سے باہر رکھتے ہوئے پیش قدمی کرنے کی صورت میں روکے رکھتی ہے تا کہ جنگ کی صورت میں عام عوام کا نقصان نہ ہو سکے اور حرب وضرب کا معرکہ ایک دردراز علاقے میں طے کر لیا جائے اور بروقت نمٹا لیا جائے جیسا کہ غزوہ جیش العسرہ میں ثبوت ملتا ہے جس میں آپ ﷺ نے دشمن کی چالوں کا بروقت ادراک کرتے ہوئے ملکی سرحد پر جا کر سامنا کرنے کا فیصلہ فرمایا اور دشمن مقابلہ کرنے کی سکت نہ کر سکا۔

دوسری حکمت عملی دفاعی حکمت عملی اختیار کی جاتی ہے جس میں علاقے سے باہر نکل کر حفاظتی انتظامات کو یقینی بنایا جاتا ہے اور کامل کوشش کی جاتی ہے کہ محدود ذرائع کے مطابق دفاع کو یقینی بنایا جائے اور دشمن کو تھکا کر ہار تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا جائے۔ اس حکمت عملی میں جہاں ایک طرف خود کے دستیاب اسباب وذرائع کا مد نظر رکھنا ہوتا ہے وہاں دشمن کی صلاحیت واستطاعت اور تعداد کو بھی پیش نظر رکھنا از حد ضروری خیال کیا جاتا ہے تا کہ اندازہ لگایا جاسکے کہ کس طرح مخالف کا نقصان زیادہ سے زیادہ ہو اور اپنے وسائل کو کم سے کم استعمال کیا جاسکے۔ غزوہ خندق سے اس کا بین ثبوت ملتا ہے۔ قرآن حکیم سے دونوں طرح کی حکمت عملیوں کے پیش نظر تیار رہنے کی اہل اسلام کو ترغیب دی گئی ہے کہ اگر اقدامی جنگ لڑنی ہے تو بھی استطاعت کے مطابق تمام بہترین وسائل کو بروئے کار لایا جائے اور اگر دفاعی حکمت عملی کو جامہ پہننا ہے تو بھی خوب غور وفکر کیا جائے اور پھر توکل علی اللہ کیا جائے کہ محدود وسائل کے ساتھ نصرت ومددِ الٰہی ہی کارگر ثابت ہو سکتی ہے لیکن اُس سے پہلے عزم وہمت اور تیاری مسلمانوں کو خود سے کرنی پڑے گی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ وَ اٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ[11]

اور ان کے لیے جتنی قوت ہو سکے تیار رکھو اور جتنے گھوڑے باندھ سکو تا کہ اس تیاری کے ذریعے تم اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو اور جو اُن کے علاوہ ہیں انہیں ڈراؤ۔

لہذا! واضح ہوا کہ طاقت کے توازن میں ہمہ وقت تیار رہنے کو اہم عنصر شمار کیا جانا چاہیے۔

6۔ شر پسند عناصر کا سدباب کرنا

عصر حاضر میں کسی بھی ملک وقوم میں عدم توازن پیدا کرنے کے لیے دشمن عناصر کی جانب سے متعدد طریقے بروئے کار لائے جاتے ہیں جن میں اندرونی محاذ پر تشکیک، تذبذب، انتشار اور بد امنی جیسے عوامل شامل ہیں اور بیرونی محاذ پر مختلف ممالک سے تعلقات، خارجہ پالیسز میں ناکامی، معاشی مسائل اور دوست ممالک کو پروپیگنڈا کے ذریعے بدگمان کرنے جیسے حربے شمار کیے جاسکتے ہیں۔ ان سب سے بیک وقت نبرآزما ہونا اور کامیابی سے ہمکنار ہونا چنداں آسان مرحلہ نہیں ہوتا کہ مخالفین شش جہات سے حملہ آور ہوتے ہیں اور ان کا

تدارک کرنے والا بعض اوقات جملہ کالم کی مثل تن تنہا کھڑا ہوتا ہے۔ اسلام کے اولین دنوں میں بھی بدر کے مقام پر ایسا ہی منظر نامہ چشم فلک نے دیکھا اور زمانہ حال میں دنیا کو ایک عالمی گاؤں کی مانند قرار دیے جانے والے دور میں بھی اہلِ غزہ عملی طور پر مظاہرہ پیش کر رہے ہیں۔ ہر طرف سے مقاطعہ کر دیا گیا ہے اور نہتے لوگوں و معصوم بچوں کا مسلح افواج محاصرہ کیے ہوئے ہیں حتی کہ بنیادی خوراک کی سہولیت بھی چھین لی گئی ہے اور یہ سب اُن تمام شر پسند عناصر کی پُشت پناہی کرنے کے سبب ہو رہا ہے جنہیں بخوبی معلوم ہے کہ اُن کا محاسبہ کرنے کی طاقت فی الوقت کسی میں نہیں، کوئی اُن سے سوال نہیں کر سکتا، کوئی طاقت انہیں انصاف کے کٹہرے میں کھڑا نہیں کر سکتی کیونکہ سبھی کے مفادات کا محور و مرکز اُن قوتوں کے گرد گھومتا ہے لہذا اہل اسلام کا لیبل ایک طرف بھی رکھ کر دیکھا جائے تو پھر بھی انسانیت دم توڑتی جا رہی ہے، ظالم! ظلم کی نئی تاریخ رقم کر رہے ہیں اور مظلومیت بے بسی ولاچاری کا لبادہ اوڑھے دم بخود سسک رہی ہے۔ پس واضح ہوا کہ ملک کے اندرونی و بیرونی محاذ پر موجود شر پسند عناصر کا بروقت اور مؤثر طریقے سے قبل از وقت قلع قمع کرنا از حد ضروری ہے کہ وہ ملکی سالمیت کو گریبان سے پکڑ کر گلی و کوچوں میں گھسیٹتے پھریں اور پھر سوائے کفِ افسوس ملنے کے کوئی چارہ نہ رہے۔ اس حوالے سے بھی قرآن حکیم میں بنیادی ہدایات کو بیان فرمایا گیا ہے کہ سب سے پہلے مخبر اور خبر دونوں کی تصدیق کرنا لازمی امر ہے تاکہ بعد ازاں میں سے ایک یا دونوں ہی سازش کا حصہ ہو سکتے ہیں لہذا فرمایا گیا کہ:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ[12]

اے ایمان والو اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تحقیق کر لو کہ کہیں کسی قوم کو بے جانے ایذا نہ دے بیٹھو پھر اپنے کئے پر پچھتاتے رہ جاؤ۔

اور جب تمام عوامل مصدقہ ثابت ہو جائیں اور فتنہ کا سدباب کرنے کا وقت آن پہنچے تو پھر

وَ قَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ[13]

اور ان سے لڑو یہاں تک کہ کوئی فساد باقی نہ رہے اور سارا دین اللہ ہی کا ہو جائے۔

لہذا ریاست کو ایسے اقدامات کا انتظام کرنا چاہیے جس سے شر پسند عناصر کی حرکات و سکنات کا بروقت ادراک کیا جا سکے اور پھر ان کا قلع قمع کرنے کا مربوط و مضبوط نظام وضع کیا جانا چاہیے تاکہ ملک و قوم کی سالمیت کو یقینی بنایا جا سکے۔

7۔ اجتماعی مفاد عامہ کو مقدم جاننا

جدید طرزِ حکومت میں جمہوری تماشا ہو یا جلال پادشاہی ہو، دونوں میں ایک قدرِ مشترک ہے کہ مخالفین و حمایتی لوگوں کو باور کروانے میں میں ہمہ وقت جُتے رہتے ہیں کہ وہی مفاد عامہ کا سب سے بڑے علمبردار ہیں اور اُن سے بڑھ کر کوئی بھی یہ فریضہ سرانجام نہیں دے سکتا۔ ممکنہ صورتِ حال میں کچھ سچائی کی جھلک بھی دیکھائی دیتی ہے لیکن یہ دعوٰی حقیقت سے کوسوں دوری پر کھڑا نظر آتا ہے کیونکہ ممالک و اقوام کے مفادات کا ٹکراؤ بھیانک نتائج سامنے لا رہا ہے جس میں صرف اقتدار واختیار کا پلڑا تمام تر انسانیت واخلاقیات کے متعین شدہ ڈھانچے کو اپنے بوجھ تلے دبا کر زمین بوس کرتا دیکھائی دیتا ہے کہ صرف زمام اقتدار ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے اور نتیجتاً پوری دنیا ایٹمی خطرات سے دوچار ہو جائے۔ یہ ایک مختصر سا خاکہ ہے جو اس وقت دنیا کے منظر نامے پر غالب دیکھائی دیتا ہے اور تاحد نگاہ اس کا مدِ مقابل کسی کارہائے حیات میں پنپتا نظر نہیں آتا۔

لیکن جب اسلام کا مطالعہ کیا جائے، اس کے مصادر و مراجع سے مستفید ہوا جائے تو یہاں خلافت کی صورت میں نظم اجتماعی بھی نظر آتا ہے اور کپڑے کا ایک ٹکڑا زائد دیکھائی دینے پر خلیفہ وقت کو بر سرِ عام احتساب کے دائرے میں لا کھڑا کرتا ہے۔ جس سے نہ تو حاکم وقت کی عزت مجروح ہونے کا اندیشہ پیدا ہوتا ہے اور نہ ہی سوالی کو اپنی جان بچانے کے لیے لاکھوں جتن کرنے پڑتے ہیں اور تادم مرگ ایک ہی خیال وہم و گمان پر سوار رہتا ہے کہ جان بچی سو لاکھوں پائے۔

اسی کے ساتھ ایک اور پہلو بھی نتھی ہوتا نظر آتا ہے کہ اول دن سے ہی یہ چلن عام رہا ہے کہ جہاں رعایا ہو گی، وہاں باہمی انتظام وانصرام کا ایک نظام بھی وجود رکھتا ہو گا اور جب ایک نظام موجود ہو گا تو اس کو چلانے والے بھی اپنی اپنی حیثیت میں متعین ہوں گے جس سے ایک قبیلہ، قوم، معاشرہ یا سماج بہتر طور پر اپنے شب وروز کے معمولات کو سر انجام دینے کے قابل ہو گا لہذا یہ واضح ہوا کہ اجتماعی نظام کو عام عوام کی مدد وحمایت حاصل ہوتی ہے جبھی وہ اُس نظام کو چلانے پر اٹھنے والے اخراجات کو برداشت کرتی ہے اور نہ صرف مستقبل میں اُس عزم کا اعادہ کرتی ہے کہ گر مزید ضرورت پڑی تو نہ صرف مالی بلکہ جسمانی ایثار کرنے سے بھی دریغ نہیں کرے گی۔ تبھی اس قوم وملک کا دفاع و دیگر معاملات احسن انداز میں چلتے رہتے ہیں جو اس بات کا بین ثبوت ہوتے ہیں اجتماعی مفادات کا حصول ہی اتحاد واتفاق پیدا کرنے کا ذریعہ بن سکتے ہیں جس کے سبب سبھی فریق آپسی اختلافات کو پسِ پُشت ڈالتے ہوئے یک جہتی کا اظہار کرتے ہیں اور اِسی پہلو کو اسلام بھی قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں لہذا اگر ان کے درمیان چپقلش کی نوبت آجائے تو آپس میں صلح کروادی جائے جیسا کہ:

فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ[14]

تو اپنے دو بھائیوں میں صلح کرادو۔

تاکہ ان کے آپس کا اتحاد و تفاق قائم رہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ وَ اٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ[15]

اور ان کے لیے جتنی قوت ہو سکے تیار رکھو اور جتنے گھوڑے باندھ سکو تاکہ اس تیاری کے ذریعے تم اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو اور جو اُن کے علاوہ ہیں انہیں ڈراؤ۔

کیونکہ اگر آپس میں اختلاف و تنازعات میں پڑے رہے تو ایسا کرنے سے:

وَ تَذْهَبَ رِيْحُكُمْ[16]

اور تمہاری بندھی ہوئی ہوا (اتحاد واتفاق) جاتی رہے گی۔

لہذا اندرونی سطح پر توازن پیدا کرنے کے لیے قومی و ملکی سطح پر اجتماعیت کو فروغ دینا ہو گا اور سبھی کے مشترکہ مفادات کو مقدم جاننا ہو گا تاکہ اہداف و مقاصد واضح رہیں اور درست سمت کی جانب سفر کٹتا رہے۔

8۔ توازن طاقت کی خواہش وضرورت اور مشترکہ ذمہ داری

نظم اجتماعی کسی فرد واحد کی خواہش وامید کے مطابق کامل و درست انداز میں پروان نہیں چڑھ سکتا۔ ایسا ممکن نہیں کہ ایک فرد عزم لے کر جدوجہد کرنا شروع کر دے کہ ایک دن وہ پورے سماج کو جسد واحد کی مانند آپس میں باندھ دے گا اور سبھی کے اہداف و مقاصد کو ایک ہی سمت دے دے گا جب تک کہ دیگر افراد اس کے ساتھ تعاون نہ کریں۔ یعنی یہ کہا جاسکتا ہے کہ اجتماعیت تبھی پنپنا شروع کرے گی جب افراد معاشرہ باہمی تعاون کے ذریعے ایکدوسرے کی دیکھ وبھال کرنا شروع کریں، احساس ہمدردی بڑھے گا، بھائی بھائی کا بھلا

چاہے گا اور خاندان ایکدوسرے کے لیے بہتر تعلقات کو ترجیح دینے لگیں گے اور معاشرہ یگانگت کا مظہر بنتا چلا جائے گا جس سے وہ ماحول پروان چڑھے گا جو جسد واحد کی مثل ہو گا کہ ایک عضو کو تکلیف ہو گی تو سارا وجود بیزاری میں مبتلا ہو جائے اور ایک عضو کی راحت باقی ماندہ جسم کے لیے سکون کا باعث بنے گی۔

لہذا یہ کہنا بجا طور پر درست ہو گا کہ کارہائے حیات میں کچھ امور زندگی کا تعلق اجتماعی نظم ونسق سے جڑا ہوا ہے کہ جب تک اجتماعیت کا عنصر موجود نہیں ہو گا، مطلوبہ اہداف ومقاصد کا حصول ناممکن ہو گا جن میں توازن طاقت کا عنصر بھی شامل ہے۔ کیا ایسا ممکن ہے کہ دیگر اقوام کی موجودگی میں ایک قوم دوسروں سے لاتعلق رہتے ہوئے صرف خود کی ذات میں محدود رہے اور سماجی ارتقاء کی منازل طے کرتی چلی جائے؟ اُسے لامحالہ دیگر اقوام سے ذاتی مفادات کو پیش نظر رکھتے ہوئے تعلقات کی نوعیت کو متعین کرنا ہو گا تاکہ مڈبھیڑ کے وقت دوست ودشمن کا چہرہ واضح رہے اور کیا ایسا بھی ممکن ہے کہ کسی قوم میں انتشار وخلفشار اور آپسی لڑائی وجھگڑے ونفرت وعداوت عروج پر ہو اور اُس نے خوشحالی وترقی میں بلند مقام حاصل کیا ہو؟ ایسا صرف تصورات وخیالات میں ممکن بنایا جاسکتا ہے، حقیقی دنیا میں نہیں لہذا واضح ہوا کہ توازن طاقت تبھی ممکن ہے جب عوام میں اتحاد واتفاق غالب ہو گا اور جب اتحاد واتفاق غالب ہو گا تو اُن میں کسی بھی منزل ومقصد کے حصول کی جوت جگانا آسان ہو گا اور جب وہ پختہ عزم وارادہ کے ساتھ منزل کی جانب چل پڑیں گے تو حصولِ منزل دوقدم کے فاصلے پر آن کھڑی ہوتی ہے جو اس بات کا بین ثبوت ہوتی ہے کہ:

وَ اَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی [17]

اور یہ کہ انسان کیلئے وہی ہو گا جس کی اس نے کوشش کی۔

بعینہ دوسرے قبائل، قوموں اور ملکوں کے ساتھ معاشی، سیاسی اور عسکری طاقت میں توازن پیدا کرنے کے لیے بھی مقصدیت کا ہونا ضروری ہے، سماج میں خواہش ووضرورت کا جگایا جانا لازمی امر ہے تاکہ رعایا کو معلوم ہو کہ ایسا ہدف کیوں مقرر کیا گیا ہے؟ اِس کے نتائج کیا برآمد ہوں گے؟ اور اس کے مثبت اثرات کا دشمن عناصر کے اوپر کیا اثر مرتب ہو گا تاکہ سبھی افراد اُسے اپنی مشترکہ ذمہ داری سمجھیں جسے پایہ تکمیل تک پہنچانے میں ہر ایک کو انفرادی سطح پر بھی کردار ادا کرنا ہو گا اور نظم اجتماعی کے پیش نظر دیگر افراد کو بھی قائل ومائل کرنا ہو گا کہ وہ بھی اس عمل میں بھرپور شرکت کریں اور مجموعی طور پر مثبت وتعمیری نتائج کا حصول آسان تر ہو جائے۔

مبحث چہارم: امورِ خارجہ

کسی بھی ریاست کی خارجہ پالیسیز یہ طے کرتی ہیں کہ دیگر اقوام وممالک کے ساتھ تعلقات کی نوعیت کیا ہو گی۔ کونسے ممالک سے دوستانہ تعلقات کا قائم کیا جانا ازحد ضروری ہے اور کن ممالک سے احتیاط برتتے ہوئے معاملات کو راہ ورسم کو نبھانے تک محدود رکھنا ہے تاکہ بوقت مشکل اُن کی طرف سے کسی جارحیت کا خدشہ پیدا نہ ہو اور اسی طرح دشمن ریاستوں کے خلاف کیا حکمت عملی مرتب کی جائے کہ ان کے خطرناک عزائم کبھی بھی پورے نہ ہوسکیں اور اگر کہیں جارحیت کا مظاہرہ کیا جائے تو ردِّ عمل میں کاروائی کی حدود وقیود بھی متعین شدہ ہوں تاکہ نقصانات کا دائرہ کار محدود رہے اور حالات کو عمومی سطح پر لانے میں ممد ومعاون ثابت ہو۔ مذکورہ ودیگر جہات کا تعلق امورِ خارجہ سے ہے لہذا بیرونی سطح پر کن عوامل کو مدنظر رکھا جانا چاہیے کہ دوست ممالک بھی قریب ہوں اور دشمن کی چالوں کا تدارک کرنے میں بھی آسانی ہو جس کے لیے درجہ ذیل میں چند جہات کا اشارۃً تذکرہ کیا جارہا ہے۔

1۔ریاستی سطح پر تعلقات کی نوعیت

مختلف ریاستوں کے درمیان تعلقات ملکی مفادات کی روشنی میں طے کیے جاتے ہیں۔ کہیں معیشت کے پیش نظر کسی ریاست سے تعلق بنانا پڑتا ہے کیونکہ اُن کے ہاں وہ وسائل دستیاب ہوتے ہیں جو مقامی سطح پر موجود نہیں ہوتے جیسا کہ دور جدید میں پیٹرولیم مصنوعات کے وسائل عرب ریاستوں کے پاس وسیع ذخائر کی صورت میں موجود ہیں لہذا بلا استثناء مذہب وملت، جس ملک نے اپنی ضروریات کو پورا کرنا ہے اسے بلاتردد ایسے ممالک سے تعلقات کو بحال کرنا ہوں گے تاکہ اس کی ملکی ضروریات کو پورا کیا جاسکے۔ اسی طرح گیس کی سہولت ہے کہ جس ملک کے پاس وافر ذخائر موجود ہوں گے وہ اپنی زائد از ضرورت دوسرے ملکوں کو درآمد کر سکے گا تاکہ ملکی زرمبادلہ میں اضافہ ممکن ہو۔

یہ چند جہات ہیں جن کا یہاں تذکرہ کیا گیا جبکہ حقیقت حال میں متعدد ذرائع ہیں جن کے پیش نظر ایک ملک یا ریاست اپنی ضرورت کو مقدم رکھتے ہوئے دوسرے ممالک یا ریاستوں سے تعلقات کو استوار کرتے ہیں جن میں آلات حرب وضرب کو بھی ترجیح بنیادوں پر شامل کیا جاتا ہے۔ لہذا واضح ہوا کہ ہر ملک کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ خود کے مفادات کے مطابق دیگر ممالک سے تعلقات کی نوعیت وہیت کو طے کرے اور اس پر عمل درآمد بھی کرے کسی دوسرے فریق کو جبری اختیار نہیں کہ کسی بھی ملک کو بامر مجبور کرے کہ فلاں سے تعلق قائم کیا جائے یا نہ کیا جائے۔ فی زمانہ یہی چلن معمولِ عام ہے اور اسی کے مطابق نفع ونقصان کا تعین کیا جاتا ہے لیکن اسلام یہاں دوطرح کی تقسیم کا نفاذ کرتا ہے جس میں ایک قسم مسلمانوں ممالک سے تعلقات کی نوعیت ہے اور دوسری قسم میں دیگر تمام دنیا کے افراد وممالک کو شامل کیا جاسکتا ہے۔ اسلام ہدایات کی روشنی میں راہ متعین کرتا ہے کہ مسلمان ریاستوں کے درمیان تعلقات کس نوعیت کے ہونے چاہیے اور دیگر کے ساتھ کن شرائط کے مطابق معاملات کو نمٹایا جانا چاہیے تاکہ کفر واسلام کا فرق واضح رہے۔

اہل اسلام کو حکم دیا گیا ہے کہ جب دو بھائی، دو جماعتیں، دو گروہ یا اسی تناظر میں دو ریاستوں کو دیکھا جائے تو آپس میں مڈبھیڑ، لڑائی جھگڑا یا چپقلش پیدا ہونے کی صورت میں صلح کروائی جائے اور جب صلح ہو جائے تو اس صلح کی خلاف ورزی کرنے والے کے خلاف عملی جہاد کا اعلان کیا جائے اور اُسے دوبارہ مجبور کیا جائے کہ وہ صلح کی طرف مائل ہو اور امن پسند شخص، جماعت یا ریاست بن کر رہنے کو ترجیح دے اور باہمی اختلافات کا قلع وقمع کیا جائے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

وَ اِنْ طَآىِٕفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَاۚ-فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰى تَفِیْٓءَ اِلٰۤى اَمْرِ اللّٰهِۚ-فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَ اَقْسِطُوْاؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ [18]

اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑیں تو ان میں صلح کراؤ پھر اگر ایک دوسرے پر زیادتی کرے تو اس زیادتی والے سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف پلٹ آئے پھر اگر پلٹ آئے تو انصاف کے ساتھ ان میں اصلاح کر دو اور عدل کرو بے شک عدل والے اللہ کو پیارے ہیں۔

مسلمانوں کے درمیان ہونے والی مڈبھیڑ کا حتمی نتیجہ صلح جوئی کا ہونا چاہیے چاہئے اس کے لیے حدود قیود کو توڑنے والے کے خلاف عملی طور پر برسرپیکار کیوں نہ ہونا پڑے جبکہ دیگر کے خلاف تب تک جدوجہد کرنے کا حکم ہے جب تک فتنہ ختم نہ ہو جائے اور اگر وہ صلح کی طرف مائل ہو جائیں تو مسلمانوں کو بھی صلح وامن کو کو ترجیح دینے کی ترغیب دی گئی ہے جیسا اسلامی عسکری پالیسی میں امن کو ہمیشہ اولین حیثیت حاصل ہے:

وَ اِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِؕ [19]

اور اگر وہ صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی جھکو ۔

یہ آیت واضح کرتی ہے کہ اگر دشمن صلح کی پیشکش کرے تو طاقت کے باوجود صلح کو قبول کیا جائے، کیونکہ اصل مقصد فتنہ کا خاتمہ اور امن کا قیام ہے اور اگر وہ اُن معاہدات کی خلاف ورزی کریں تو اُن کے میثاق کو اُن کے طرف پھینک دو اور اعلان جنگ کرو۔لہذا یہ طے ہوا عصر حاضر میں بھی مسلم ممالک کے لیے جدید تقاضوں سے ہٹ کر ہدایات کا اہتمام کیا گیا ہے کہ جب اِن کے آپس کے تعلقات کی بات ہو گی تو کیا شکل وصورت ہونی چاہیے اور جب دیگر ممالک یا ریاستوں سے معاملات کو طے کرنا ہو تو پھر باتوں کو مقدم رکھا جانا چاہیے

2۔ قوت نافذہ کا حصول

عصر حاضر میں سیاسی لحاظ سے جب مختلف ممالک کا جائزہ لیا جاتا ہے تو عمومی طور پر تین گروہوں میں بٹے ہوئے نظر آتے ہیں۔پہلے گروہ میں وہ ممالک شامل ہیں جن کے پاس جدید تقاضوں کے مطابق مال وزر بھی وافر مقدار میں دستیاب ہے اور ٹیکنالوجی میں بھی اُن کا کوئی مد مقابل نہیں جیسا کہ امریکہ، چین، فرانس، جاپان ودیگر۔اسی طرح دوسرے گروہ میں وہ ممالک شامل کیے جاسکتے ہیں جن کے پاس وسائل کی بہتات ہے، تیل کے وسیع ذخائر ہیں کہیں تو کہیں قدرتی گیس وافر مقدار میں موجود ہے اور کہیں معدنیات کا ذخیرہ دستیاب ہے جیسا کہ عرب ریاستیں وغیرہ لیکن یہ گروہ اول الذکر گروہ کا ٹیکنالونی کے حوالے سے محتاج ہے اور تیسرے گروہ میں وہ ممالک ہیں جو نہ تو ٹیکنالوجی کے لحاظ سے خود کفیل ہیں اور نہ قدرتی وسائل اُن کے دسترست ہیں اور اگر کہیں ایسا ہے تو اُن کی افرادی قوت اُن تقاضوں کے مطابق تربیت یافتہ نہیں کہ وہ خود کے وسائل کو بروئے کار لانے کی استطاعت رکھتے ہوں لہذا دونوں لحاظ سے اول الذکر گروہوں کے محتاج رہتے ہیں،مالی وسائل درکار ہوتے ہیں تو بھی کسی عرب ریاست کا ہاں جاکر کارگزاری بیان کی جاتی ہے اور اگر ٹیکنالوجی کی ضرورت آن پڑتی ہے تو بھی کسی اور ملک کے سامنے دست سوال دراز کرنا پڑتا ہے جس کی بنیاد پر کہا جاسکتا ہے کہ اُن کی خود کفالت وخود داری کی روایات کا چلن آہستہ آہستہ مفقود ہوتا چلا جاتا ہے اور محتاجی ولاچاری ہمیشہ گھر کی دہلیز پر ڈیرے ڈالے رکھتی ہے جیسا کہ پاکستان، افغانستان، بنگلہ دیش اور دیگر ممالک۔

معاشی استحکام و آلات حرب وضرب میں جدت، موجودہ دور کے اہم تقاضے گردانے جاسکتے ہیں۔جن کے پاس ایسے وسائل کی بہتات ہو گی لوگ اُن اقوال کو بغور سنتے بھی ہیں، عمل بھی کرتے ہیں اور مستقبل کی منصوبہ بندی میں انہی کی روایات کو فوقیت دی جاتی ہے تاکہ مقامی سطح پر وہی اصول وضوابط لاگو کئے جاسکیں جن کے ذریعے ترقی یافتہ ممالک نے عروج حاصل کیا ہے۔لہذا یہ کہنا بجا طور پر درست ہو گا کہ جن کے پاس قوت واختیار ہے، انہی کے پاس قوتِ نافذہ بھی ہے۔وہی طے کرتے ہیں کہ کسے عزّ وشرف سے نوازنہ ہے اور کسے ذلت ومسکنت کی گہرائیوں میں بیٹھائے رکھنا ہے؟ اور یہی اصول اہل اسلام کے لیے بھی کارآمد ثابت ہو سکتا ہے کہ جب وہ تہیہ کرلیں کہ انہیں بھی اقوام وممالک کے درمیان معتبر ومکرم مقام حاصل کرنا ہے تاکہ جب کہیں ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جارہے ہوں تو اِن کے پاس قوت نافذہ موجود ہو، وہ اُس کے ذریعے ظالم کا ہاتھ روک سکیں۔ملت اسلامیہ آج اس پہلو کے لحاظ منقسم نظر آتی ہے، سبھی کو اپنے دامن بچانے کی فکر لاحق ہے وگرنہ غزہ میں اس قدر ظلم وستم روا رکھنے کی کسی ناجائز ریاست میں سکت نہ ہوتی۔کیونکہ انہیں خوب معلوم ہے کہ اسلام کے نام لیواؤں میں وہ طاقت نہیں جو بڑھتے ہوئے ہاتھ کو روک سکے لہذا ہر طرح کا ظلم کرنا اُن کا بنیادی اختیار ہے کیونکہ صاحبانِ اقتدار واختیار کی انہیں پُشت پناہی حاصل ہے۔لہذا قرآن حکیم نے حاکم وغالب رہنے کا جو نسخہ تجویز کیا ہے اسی کی طرف رجوع کرنا پڑے گا تاکہ قوت نافذہ کا حصول ممکن ہو سکے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔ اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ۔ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ۔ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ۔ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ[20]

اور نہ سستی کرو اور نہ غم کھاؤ تمہیں غالب آؤ گے اگر ایمان رکھتے ہو۔ اگر تمہیں کوئی تکلیف پہنچی تو وہ لوگ بھی ویسی ہی تکلیف پا چکے ہیں اور یہ دن ہیں جن میں ہم نے لوگوں کے لیے باریاں رکھی ہیں اور اس لیے کہ اللہ پہچان کرا دے ایمان والوں کی اور تم میں سے کچھ لوگوں کو شہادت کا مرتبہ دے اور اللہ دوست نہیں رکھتا ظالموں کو۔

لہذا اہل اسلام کو اپنی قوت وطاقت کا یکجاں کرنا ہو گا، وسائل کو درست سمت میں لگانا ہو گا اور الٰہی پیغام کی روشنی میں عزم وارادہ متعین کرنا ہو گا کہ کامیابی سے ہم ہی ہمکنار ہوں اگر ہمت نہ ہاری جائے، غلبہ مسلمانوں کو ہی حاصل ہو گا اگر وہ مصمم ارادے سے راہ راست پر گامزن رہیں اور قوت نافذہ کے حقیقی حقدار بھی انہیں ہی ٹھرایا جائے گا اگر اطاعت الٰہی اور اطاعت رسول ﷺ کو ہی اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیں۔

3۔ خود مختاری کا تحفظ

دور حاضر میں عسکری طاقت توازن کے دیگر عوامل میں ایک اہم اور بنیادی عمل ملکی خود مختاری کا تحفظ بر قرار رکھنا بھی شامل ہے کیونکہ جب تک کسی قوم وملک کی خود مختاری کو عزت وتکریم نہیں دی جائے تب تک وہ قوم وملک اقوام عالم میں معتبر مقام حاصل نہیں کر پائے گا اور اس مقام ومرتبہ کو بر قرار رکھنے کے لیے ہر ریاست سیاسی، معاشی اور عسکری انتظامات کو یقینی بناتی ہے تاکہ ملک دشمن عناصر کسی بھی جہت سے گھات لگا کر نقصان پہنچانے کی جسارت نہ کر سکیں۔ ایسا ممکن نہیں شر پسند عناصر ملکی سرحدوں کی خلاف ورزی کریں اور صرف انہی اقدمات کو خود مختاری سے منسوب کیا جائے اور انہی کا تدارک کرنے کی حکمت عملی اپنائی جائے جبکہ سیاسی لحاظ سے وہ جسقدر چاہیے مختلف ذرائع سے انتشار پیدا کرتا رہے اور ان عوامل کو ملکی سالمیت سے نہ جوڑا جائے۔

خود مختاری ایک کثیر الجہتی تصور ہے جس سے تمام عناصر جڑے ہوتے ہیں چاہیے اُن کا تعلق سرحدی حدود کے ساتھ ہو، نظریاتی افکار سے ہو یا افرادی معاملات سے ہو، سبھی مل کر کسی بھی ملک کی خود مختاری کا دائرہ کار متعین کرتے ہیں اور اُس متعین شدہ دائرہ کار کی خلاف ورزی کو سالمیت سے منسوب کیا جائے گا۔ قرآن حکیم اپنے ماننے والوں کو تمام جہات کے حوالے سے رہنمائی فراہم کرتا ہے کہ نظریاتی لحاظ سے اس کے ہم پلہ کسی اور قوم کا مقام نہیں ہو سکتا ہے کہ توحید پرست قوم ہوتی ہے لہذا دنیا میں اگر کوئی اور قوم توحید پرست ہو گی تو وہ بھی مسلمان ہی کہلائے گی نہ کہ کوئی اور قوم۔ لہذا نظریاتی لحاظ سے مسلمانوں کا کوئی بھی ہمسر نہیں کیونکہ سبھی نے لا الہ اللہ محمد رسول اللہ (ﷺ) کی گواہی دی ہوتی ہے اور جو اس گواہی میں بگاڑ پیدا کرے گا یا پیدا کرنے کا سبب بنے گا وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا اور اُسے مرتد پکارا جائے گا جس کے متعلق علماء کرام کا واضح مؤقف منصہ شہود پر موجود ہے۔

اسی طرح اہل اسلام میں جو فتنہ وفساد برپا کرنے کا سبب بنے گا اس کے حوالے سے بھی مسلمانوں کو جہاد کا حکم دیا گیا تاوقتیکہ وہ رجوع کرلے اور اصلاح احوال کے لیے راغب ہو جائے جسے وان طائفتان من المومنین اقتتلو کے زمرے میں بیان کیا جاتا ہے اور اسی کے ساتھ ظلم وفساد کی ممانعت کرتے ہوئے فرمایا کہ:

وَ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا[21]

اور زمین میں اس کے سنور جانے (یعنی ملک کا ماحولِ حیات درست ہو جانے) کے بعد فساد انگیزی نہ کرو۔

لیکن ان تمام اقدمات کے باوجود بھی اگر کوئی فسادی فسادات سے، تخریب کاریوں سے اور انتشار و خلفشار کا ماحول پیدا کرنے سے باز نہیں آتا تو اُن کے متعلق حکم دیا گیا ہے کہ تناسب اور انصاف کا اصول اپناتے ہوئے مؤثر کاروائی بروئے کار لائی جائے اور شریر عناصر کا قلع قمع کیا جائے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

وَ اِنۡ عَاقَبۡتُمۡ فَعَاقِبُوۡا بِمِثۡلِ مَا عُوۡقِبۡتُمۡ بِهٖ [22]

جس طرح تم پر زیادتی کی گئی ہو اسی طرح تم بھی بدلہ لو۔

لہذا واضح ہوا کہ خود مختاری کو سبھی عوامل پر برتری و فوقیت حاصل ہے جب تک اسے یقینی نہیں بنایا جائے گا اقوام کے درمیان میں معتبر و مؤقر مقام و مرتبہ حاصل کرنا ممکنات میں سے نہیں۔

4۔ توازن طاقت کا بنیادی فلسفہ تریاق طاقت کا حصول

تاریخی شواہد اس بات پر شاہد ہیں کہ طاقت کبھی بھی ضعف کو قبول نہیں کرتی، اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا کہ کمزوری و لاچاری بھی کسی کیفیت کا نام ہے کیونکہ وہ خود کے زور، رعب، دبدبہ اور اثر و رسوخ میں اس قدر مگن ہوتی ہے کہ دیگر عوامل کی طرف توجہ کرنا، انہیں خاطر میں لانا کار بیکار است گردانا جاتا ہے اور شائد یہی وجہ ہے کہ جب اُسے کہیں اختیار حاصل ہوتا ہے، زور بازو سے کہیں فتح کی صورت میں غالب آتی ہے تو پھر فیصلہ فریق مخالف کی مرضی و منشا کے مطابق نہیں بلکہ خود کی رضا و رغبت کے مطابق طے کیا جاتا ہے۔ چاہیے تو سروں کے مینار بنا دے جیسا کہ ہلاکو خان، چنگیز خان، 1857ء کی جنگ آزادی ہو یا دونوں عالمگیر جنگوں میں ہونے والی تباہی و بربادی کی صورت میں ہیروشیما و ناگاساکی ہو، روہنگیا میں مسلمانوں کا قتل عام یا موجودہ وقت میں غزہ کے مقام پر ہونے والے ظلم و ستم ہو، جب اُسے اختیارات کا خمار سر چڑھ جاتا ہے تو وہ فیصلے کرنے میں خود مختار ہو جاتی ہے اور کسی کو خاطر میں نہیں لاتی۔

لیکن اسی کا دوسرا پہلو بھی روزِ روشن کی طرح واضح کیا گیا ہے کہ اگر طاقت کا حصول کسی دائرہ کار میں محدود رکھا جائے، اُسے اصول وضوابط پر کاربند کیا جائے اور شتر بے مہار کی طرح کُھلا نہ چھوڑا جائے تو پھر اس کے نتائج انتہائی مثبت و متاثر کُن ہوتے ہیں کہ دشمن جاں بھی داد و تحسین دیے بغیر رہ نہیں سکتا جس کا ثبوت حضرت یوسفؑ اور ان کے بھائیوں میں ہونے والے واقعہ کے اختتام سے بھی ملتا ہے اور فتح مکہ کے موقع پر "لاتثریب علیکم الیوم" کا نظارہ نہ چشم فلک نے اس انداز میں کبھی پہلے دیکھا اور نہ ہی صلاح الدین ایوبی کے ہاتھوں بیت المقدس کے فتح کے بعد کوئی قوم ایسی گواہی پیش کرنے کے قابل ہے جس میں فاتح قوم کی طرف سے مفتوح قوم کے لیے ایسے فراخدلانہ اقوال منقول ہوں۔ یہ سب خاصانِ رُسُل کا ہی خاصہ رہا ہے وگرنہ خاصا دشوار گزار مرحلہ ہوگا کہ کسی اور قوم کی طرف سے ایسے شواہد منصہ شہود پر لائے جا سکیں۔

لہذا واضح ہوا کہ طاقت کا حصول بھی کسی قواعد وضوابط کا متقاضی ہونا چاہیے۔ اُسے بھی پابند سلاسل کیا جانا چاہیے تاکہ ہمہ وقت ہمعصر افراد کو نقصان نہ پہنچاتا رہے اور جیسا کہ مذکورہ بالا الفاظ سے ہی ایک اور پہلو بھی عیاں ہوتا ہے کہ طاقت میں توازن بھی بہت سارے مسائل کا ازالہ کرنے میں ممد و معاون ثابت ہوتا ہے۔ مخالفین کو کوئی بھی پیش قدمی کرنے سے قبل متعدد مرتبہ غور و فکر کرنے پر مجبور کرتا ہے کہ ردِ عمل میں خود انہیں بھی نقصانات کا اندشہ لاحق رہتا ہے۔ لہذا ریاستی سطح پر یہ قاعدہ و کلیہ متعین ہونا چاہیے کہ طاقت کا حصول کسی کے لیے خطرہ کا سبب نہیں بنے گا بلکہ خود کے دفاع اور ملکی سالمیت کو خطرات پیدا کرنے والوں کو جوابی وار کرنے کے لیے ممکن بنایا جاتا ہے تاکہ توازن قائم رہے اور قرآن حکیم نے اس حوالے سے بڑا واضح پیغام اپنے متبعین کو دیا ہے کہ قرآن مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ دفاعی تیاری رکھیں تاکہ دشمنوں کو حملے سے روکا جا سکے:

وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ وَ اٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ 23

اور ان کے لیے جتنی قوت ہو سکے تیار رکھو اور جتنے گھوڑے باندھ سکو تا کہ اس تیاری کے ذریعے تم اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو اور جو اُن کے علاوہ ہیں انہیں ڈراؤ۔

اس آیت میں "ترہبون" کے لفظ سے ایک یہ مفہوم بھی واضح ہوتا ہے کہ دشمن کو حملے سے باز رکھنے کے لیے ایک مؤثر عسکری تیاری ہونی چاہیے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ طاقت کا استعمال جارحانہ ہو، بلکہ یہ ایک دفاعی حکمت عملی ہے۔

مزید یہ کہ سائنسی علوم میں دو اصطلاحات استعمال کی جاتی ہیں ایک کا نام طاقت ہے جس کا مطلب کسی شے کی کام کرنے کی رفتار کہ وہ کسی کام کو کتنی دیر میں مکمل کرتا ہے اور دوسری اصطلاح قوت کی ہے جس کا عمومی معنی کسی وجود میں تغیر پیدا کرنے کی صلاحیت کا ہے اور مذکورہ بالا آیت کے الفاظ پر غور کیا جائے وہ یہاں قوت کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کا معنی یہ بھی بنتا ہے کہ مسلمانوں کو حسب استطاعت ایسی قوت حاصل کرنے کا حکم دیا جارہا ہے جو فریق مخالف کی حرکات و سکنات میں تغیّر پیدا کر دے پھر اس حاصل کردہ قوت کا تعلق سیاست سے ہو یا معیشت سے، جدید آلات حرب وضرب سے ہو یا ٹیکنالوجی سے، معاہدات سے یا اخلاقیات سے۔ اہل اسلام پر لازم ہے کہ وہ اپنی قوت کو یکجاں کر کے رکھیں اور ہمہ وقت تیار رہیں تا کہ دشمن عناصر پر ہیبت طاری رہے اور فتنہ وفساد برپا کرنے سے باز رہیں۔

5۔ معاہدات کی پاسداری

عہد، معاہدہ اور وعدہ کرنا جیسے عوامل کم وبیش سبھی معاشروں میں کلیدی اہمیت کے حامل گردانے جاتے ہیں۔ کسی بھی مذہب ومسلک میں معاہدات کے بارے میں رقیق سا جملہ بھی نہیں ملے گا جس سے ظاہر ہوتا ہو کہ جب کسی سے وعدہ کر لیا جائے تو اسے پورا نہیں کرنا چاہیے اور اگر اس پر عمل پیرا ہونا مشکل مرحلہ لگ رہا ہوں تو دوسرے فریق کو اس بارے میں آگاہی دے دی جائے کہ فلاں معاہدہ تکمیل کو نہیں پہنچ پائے گا لہذا اُس سے دستبردار ہوا جائے گا اور سبھی معاشروں یا مذاہب ومسالک سے مثال نہ بھی اخذ کی جائے تو دین اسلام اس حوالے سے بہت واضح اور مضبوط مؤقف اختیار کرتا ہے کہ جب عہد کر لیا جائے تو اُسے پورا کیا جائے کیونکہ اس کے بارے میں باز پُرس ہو گی جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے کہ:

وَ اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا 24

اور عہد پورا کرو بیشک عہد کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

لہذا کل بروز قیامت ایک مسلمان کی جان خلاصی ہر گز نہیں ہو پائے گی اگر وہ عہد کے معاملے میں سنجیدہ رویہ اختیار نہیں کرتا حتیٰ صلح حدیبیہ کے تحت آپ ﷺ کے طرز عمل سے عیاں ہوتا ہے کہ معاہدہ اگر تحریری صورت میں پایہ تکمیل کو نہ پہنچا ہو لیکن کلامی لحاظ سے طے پا جائے تو اس کی پاسداری کرنا لازم ہو جاتا ہے اس لیے کسی بھی ملک کے لیے بیرونی محاذ پر کیے گیے معاہدات کو مکمل کرنا ملکی شناخت پر مثبت اثرات مرتب کرتا ہے اور اگر کسی ناگہانی صورت میں انہیں توڑنا لازم ہو جائے تو اس کے لیے بھی ہدایات قرآن حکیم میں بیان کی گئی ہیں جن میں پہلی شرط یہ رکھی گئی کہ جو قومیں تم سے جنگ نہ کریں اور نہ ہی وہ کسی دوسرے فریق کی تمہارے خلاف مدد کریں تو ان سے کیے گیے معاہدات کی پاسداری کی جائے جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے کہ:

اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ 25

مگر مشرکوں میں سے وہ لوگ جن سے تم نے عہد کیا، پھر انہوں نے تم سے عہد میں کچھ کمی نہیں کی اور نہ تمہارے خلاف کسی کی مدد کی تو ان کے ساتھ ان کا عہد ان کی مدت تک پورا کرو۔

دوسری صورت یہ بیان کی گئی ہے کہ اگر دین کے معاملے میں تم سے مدد طلب کی جائے تو اُن کی مدد کی جائے مگر جن سے معاہدہ ہو چکا ہو اُن کے خلاف مدد نہیں کی جائے گی جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے کہ:

وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰي قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ [26]

اور اگر وہ دین کے بارے میں تم سے مدد مانگیں تو تم پر مدد کرنا لازم ہے، مگر اس قوم کے خلاف کہ تمہارے درمیان اور ان کے درمیان کوئی معاہدہ ہو۔

تیسری صورت میں بیان کیا گیا ہے کہ عہد کی پاسداری تب تک کی جائے گی جب تک دوسرا فریق اس معاہدے پر عملدرآمد کرتا رہے گا جیسا کہ فرمایا گیا:

اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ۔[27]

سوائے ان لوگوں کے جن سے تم نے مسجد حرام کے پاس معاہدہ کیا۔ سو جب تک وہ تمہارے لیے (معاہدے پر) پوری طرح قائم رہیں تو تم ان کے لیے پوری طرح قائم رہو۔

لیکن جیسے ہی وہ معاہدات کو توڑیں تو مسلمانوں پر پھر لازم نہیں رہتا کہ وہ اُس توڑے گیے عہد پر عمل پیرا ہوں ان کے لیے بھی وہی طرزِ عمل متعین کیا گیا ہے جو دوسرے فریق نے اختیار کیا۔ فرمان عالیشان ہے کہ:

وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَىِٕمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ۔[28]

اور اگر عہد کر کے اپنی قسمیں توڑیں اور تمہارے دین پر منہ آئیں (اعتراض وطعن کریں) تو کفر کے سرغنوں سے لڑو بے شک ان کی قسمیں کچھ نہیں اس امید پر کہ شاید وہ باز آئیں۔

مذکورہ بالا آیت سے واضح ہوتا ہے کہ نصرت الٰہی کا حصول پھر عسکری طاقت کے استعمال میں پنہاں ہوتا ہے کہ جب معاہدات کو پسِ پُشت ڈال دیا جائے اور تحاریر وتقاریر کو کوئی وقعت نہ دی جائے تو پھر اپنی استطاعت کے مطابق جنگی ساز وسامان کو بروئے کار لایا جائے اور توکل علی اللہ کیا جائے تاکہ مسلمانوں کے ہاتھوں فریق مخالف کو سبق سیکھایا جائے اور راہ راست پر لانے کی عملی کوشش کی جائے۔

مبحث پنجم: عسکری قیادت کی خاصیت وصلاحیت

مذکورہ بالا تمام لوازمات واقدامات کو بہر صورت پورا کرنے کے باوجود بھی کوئی ریاست یا ملک وقوم کامل طور پر اطمینان قلب حاصل نہیں کر سکتی کہ میدان جنگ میں اُسے فتح حاصل ہو گی یا شکست سے دوچار ہونا پڑے گا کیونکہ مذکور عوامل کا تعلق اندرونی وبیرونی محاذ پر اٹھائے گئے اقدامی معاملات سے ہے لیکن جس شخصیت یا فرد نے اُن افواج کی رہبری کرنی ہے، اُن میں جذبہ جہاد وشہادت جگانا ہے، اپنی افواج کو ذہنی وجسمانی لحاظ سے ہمہ وقت تیار رکھنا ہے اس کے انتخاب کا عمل کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔

کیونکہ سپہ سالار فوج کی شخصیت ہی وہ بنیادی کردار ہوتا ہے کہ جس کے باعث یہ متعین کرنے میں آسانی ہوتی ہے کہ افواج میں اتحاد واتفاق پروان چڑھے گا یا انتشار وخلشار کی فضا بننے لگے گی۔ فوج میدان کارزار میں سینہ سپر ہو گی یا دشمن کو پیٹھ دیکھا کر الٹے قدموں بھاگنے میں عافیت جانے گی۔ گولہ وبارود اور ٹیکنالوجی کا کوہِ گراں بھی کھڑا کر لیا جائے تو فوج بزدلی کا مظاہرہ کرے گی یا دستیاب وسائل

کے مطابق عصری تقاضوں سے انہیں ہم آہنگ رکھا جائے اور فہم و تدبّر جیسے کمالات سے مزین کر دیا جائے تو خود سے بڑے دشمن کو بھی ناکوں چنے چبوانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑے گی۔

یہ سب صرف سپہ سالار کے انتخاب پر منحصر کرتا ہے جس کے تحت افواج اپنی استطاعت سے بڑھ کر کارہائے نمایاں سرانجام دیتی ہیں اور دنیا کو ورطہ حیرت میں مبتلا کیے رکھتی ہیں۔ لہذا رہنما کا انتخاب اہم حیثیت رکھتا ہے جس کے لیے چند بنیادی عوامل کا تذکرہ درجہ ذیل میں کیا جارہا ہے جس کے مطابق کسی بھی سپہ سالار کو منتخب کرنے میں معاونت حاصل کی جاسکتی ہے۔

1۔ صاحب علم وجسد سپہ سالار کا انتخاب

فوج! نظم وضبط کا عملی نمونہ ہوتی ہے۔ سپاہی سے لے کر کمانڈر تک سبھی ایک لڑی میں پروئے ہوتے ہیں۔ ادارہ جاتی سطح پر متعین کیے گیے اصول وضوابط کی خلاف ورزی کسی بھی درجہ پر قابل قبول نہیں ہوتی اور ان تمام قواعد کے ساتھ ساتھ سب سے اہم اور بنیادی کڑی سپہ سالار کی شخصیت کی موجودگی ہوتی ہے۔ فون کے جوش وجذبہ کو اوج ثریا تک بھی پہنچایا جاتا ہے اور دشمن عناصر کے خلاف لڑتے ہوئے جام شہادت نوش کرنے پر بھی انہیں تیار کیا جاتا ہے اور اسی طرح میدانِ کارزار میں جرات وبہادری کی داد سمیٹے نوجوانوں کو مایوسی وپریشانیوں کے اتھاہ گہرائیوں میں بھی پھینکا جاسکتا ہے اور جنہوں نے ہتھیلی پر رکھ کر اپنی جانیں پیش کی ہوتی ہیں، انہیں پشیماں بھی کیا جاسکتا ہے۔ اِن تمام مراحل کا انحصار صرف ایک شخص کے انتخاب پر منحصر ہوتا ہے جسے سپہ سالارِ افواج سے منسوب کیا جاسکتا ہے کیونکہ سپاہی حکم کے تابع ہوتا ہے، اُس نے حکم آنے کے بعد خود کے ذات کا نفع ونقصان نہیں سوچنا ہوتا، بس جو حکم ملا اس پر عملدرآمد کو ہر صورت یقینی بنانا ہوتا ہے اور وہ دل وجان سے تبھی سب کچھ نثار کرتا ہے جب اُسے معلوم ہو کہ حاکم کامل طور پر ایماندار، مخلص اور بہادر ہے اور اس کا ہر فیصلہ عین تقاضوں کے مطابق ہے لہذا جان نثار کرنا بھی پھر قابل فخر عمل بن جاتا ہے۔

لہذا یہ بات عیاں ہوگئی کہ سپہ سالار کا انتخاب خوب غوروفکر سے کیا جانا چاہیے اور ایسے سپہ سالار کو منتخب کیا جانا چاہیے جو علم وعمل، فہم وحکمت اور دوراندیشی جیسے عناصر سے مزین ہو کیونکہ قصہ طالوت وجالوت میں بھی جس سپہ سالار کی خاصیات بیان کی گئی ہیں ان سے بھی یہی رہنمائی حاصل ہوتی ہے کہ اُسے علم وجسد کے لحاظ سے مضبوط ہونا چاہیے جیسا کہ قرآن حکیم میں بیان کیا گیا ہے کہ:

قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ وَ زَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَ الْجِسْمِ [29]

فرمایا! اسے اللہ نے تم پر چن لیا اور اسے علم اور جسم میں کشادگی زیادہ دی۔

لہذا! افواج کا سپہ سالار صاحب فہم وفراست، دور اندیش اور پختہ عزم وحوصلہ والا منتخب کیا جانا چاہیے تاکہ مشکل حالات میں صبر واستقامت کا استعارہ بن سکے۔

2۔ منتخب قیادت پر اعتماد کا اظہار

سورۃ النمل میں حضرت سلیمانؑ اور ملکہ سبا کا واقعہ بیان فرمایا گیا ہے جس میں دیگر موضوعات کے ساتھ ساتھ جنگی قوانین کا ذکر ملتا ہے جن سے عصر حاضر میں بھی استفادہ کیا جاسکتا ہے جیسا کہ ملکہ سبا نے جب اپنی فوجی قیادت سے مشورہ کیا اور اُن سے اُن کی رائے طلب کی تو جہاں عسکری قیادت نے اپنی صلاحیتوں کا اظہار کیا اس کے ساتھ ہی انہوں نے ملکہ سبا کی طرف سے دیے گیے احکام کی اتباع کرنے کا بھی ارادہ ظاہر کیا جیسا کہ فرمایا گیا:

قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّ اُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ نخ وَّ الْاَمْرُ اِلَيْكِ فَانْظُرِيْ مَا ذَا تَاْمُرِيْنَ [30]

انہوں نے کہا: ہم قوت والے اور بڑی سخت لڑائی والے ہیں اور اختیار تو تمہارے ہی پاس ہے تو تم غور کر لو کہ تم کیا حکم دیتی ہو؟

لہذا یہ بالکل واضح ہو گیا کہ جب فوجی قیادت کا انتخاب کر لیا جائے تو پھر اس قیادت پر کامل بھروسہ بھی کیا جانا چاہیے اور سبھی کو اعتماد قائم رکھنا چاہیے کہ اُن کی طرف سے منتخب قیادت مشکل وقت میں کبھی مایوس نہیں کرے گی اور اِسی فکر کو عام شہری کے ذہن میں بھی راسخ کیا جانا چاہیے تاکہ عوام، دشمن کی طرف سے برپا کیے گیے پروپیگنڈا کا شکار نہ سکے۔

3۔ دور اندیش اور معاملہ فہم قیادت

اسی مذکورہ واقعہ میں ایک اور پہلو کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے کہ حضرت سلیمانؑ کے پاس جب ملکہ سبا کی آمد کی اطلاع پہنچ چکی تو آپؑ نے تہیہ فرمایا کہ ملکہ سبا پر حجت قائم کرنے اور انعامات الٰہی کا اظہار کرنے کے لیے تخت کو اس کے پہنچے سے قبل حاضر کیا جائے اور دیکھا جائے کہ اس کا کیا ردِّ عمل آتا ہے۔ یہی سے دوراندیش قیادت کا تصور بھی ابھر کر سامنے آتا ہے کیونکہ اسواہ انبیاء کرامؑ ہی بعض کی اقوام کے لیے مشعل راہ ہوتا ہے، انہیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں خاص مقام و مرتبہ حاصل ہوتا ہے جس کی بدولت تمام حوادث سے متعلق بروقت اطلاع رب تعالیٰ اپنی مرضی و منشاے مطابق پہنچا دیتا ہے لیکن عام افراد کا معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے، ان تک اطلاع سلسلہ نبوت کے سبب نہیں پہنچ سکتی لہذا جو واقعات انبیاء کرامؑ کی حیات میں ان کے ساتھ بیٹے ہوں، اُنہی سے رہنمائی لے کر مستقبل کا لائحہ عمل عصری تقاضوں کے مطابق مرتب کیا جاسکتا ہے۔ مذکورہ واقعہ سے بھی یہی اخذ ہوتا ہے کہ منتخب قیادت کو دور اندیش اور معاملہ فہم ہونا چاہیے تاکہ محفوظ مستقبل کی پیش بندی کی جاسکے اور فریق مخالف کے حوالے سے خدشات کو پیش نظر رکھتے دفاعی وانتظامی اقدامات بروقت کیے جاسکیں جیسا کہ حضرت سلیمانؑ کے اس قول مبارک سے عیاں ہوتا ہے کہ:

قَالَ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ[31]

حضرت سلیمانؑ نے فرمایا: اے درباریو! تم میں کون ہے کہ وہ اُس کا تخت میرے پاس لے آئے قبل اس کے کہ وہ میرے حضور مطیع ہو کر حاضر ہوں۔

4۔ عسکری برتری کے باوصف تنبیہات کو بروئے کار لانا

عسکری حکمت عملی میں بعض اوقات فریق مخالف کو مستقبل کے بھیانک انجام سے خبردار کر کے بھی جارحانہ اقدامات سے باز رکھا جاسکتا ہے اور نفسیاتی حربوں میں سے ایک یہ بھی مؤثر و قابل عمل حربہ ہوتا ہے کہ دشمن میدان عمل میں اترنے سے قبل ہی ذہنی طور پر ہار تسلیم کر لے اور اُس میں عملی قدم اٹھانے کی جرات ہی نہ رہے۔ اس کا عملی مظہرہ حالیہ ہونے والی پاک–بھارت جنگ میں بھی دیکھا جاسکتا ہے کہ قبل از جنگ بھارت ہر طرح کا حربہ استعمال کر رہا تھا اور پاکستان متعدد مرتبہ انہیں خبردار کرتا رہا لیکن جب اُس نے جارحیت کا مظاہرہ کیا تو اس کے جواب میں پاکستان کا ردِ عمل بھی مؤثر و بروقت تھا جس کے سبب دشمن کچھ ہی وقت بھی بھیگی بلی کی طرح بیٹھ گیا اور اب اس میں جرات پیدا نہیں ہو رہی کہ وہ کوئی اور اُسی طرح کا قدم اٹھائے۔ اس سارے منظر نامے کا عکس حضرت سلیمانؑ کے واقعہ میں بھی ملتا ہے جب آپؑ نے ملکہ سبا کے وفد سے فرمایا کہ ہم تمہارے پاس ان لشکروں کے ساتھ آئیں گے جو اس سے پہلے نہیں آئے:

اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَ لَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ اَذِلَّةً وَّ هُمْ صٰغِرُوْنَ[32]

پلٹ جا ان کی طرف تو ضرور ہم ان پر وہ لشکر لائیں گے جن کی اُنہیں طاقت نہ ہو گی اور ضرور ہم اُن کو اس شہر سے ذلیل کر کے نکال دیں گے یوں کہ وہ پست ہوں گے۔

پس واضح ہوا کہ عسکری برتری کے باوجود تنبیہات و تنقیدات کو بروئے کار لانا چاہیے تا کہ جنگی نقصانات سے خود کو بھی محفوظ رکھا جا سکے اور دشمن کو بھی فکری لحاظ سے پستی کی طرف دھکیلا جا سکے تا کہ وہ ہر وقت رعب و دبدبہ کی وجہ سے دبک کر بیٹھنے میں ہی عافیت جانے۔

5۔ علم و فضل کی برتری کا حامل ہونا

خلافت و نیابتِ انبیاء کرامؑ دنیوی مقام و مرتبہ میں سب سے افضل رتبہ قرار دیا گیا ہے کہ رب تعالیٰ نے تمام انسانوں پر انبیاء کرامؑ کو فضیلت بخشی اور انہیں اپنے منتخب بندوں میں شامل فرمایا جس کا آغاز حضرت آدمؑ کی تخلیق سے ہوا کہ جب رب تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ زمین پر اپنا نائب بنانے والا ہوں:

وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً[33]

اور یاد کرو جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا: میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں۔

دیگر اسباب کے ساتھ ساتھ حضرت آدمؑ کو جو علم عطا فرمایا گیا وہ بھی سبب تکریم آدمؑ تھا کہ جس کے آگے تمام فرشتوں نے عجز و انکسار کا اظہار فرمایا۔ یہیں سے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ایک طرف رب تعالیٰ نے اپنی نیابت کے لیے علم و فضل کو اولین درجہ پر رکھا تو یہ طرز عمل ایک مسلم ریاست میں عسکری سطح پر قیادت کا انتخاب کرنے کے لیے بھی کلیدی اصول ہونا چاہیے کہ جو بھی سپہ سالار منتخب کیا جائے وہ عسکری اہمیت و ضرورت کے پیش نظر ہمہ جہت وسعت نظری اور وسیع تجربہ کاری کا متحمل ہو تا کہ بوقت آزمائش یا مشکل حالات سے نبرد آزما ہونے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

6۔ منتخب قیادت کا باہمی مشاورت کو پروان چڑھانا

قصہ حضرت سلیمانؑ اور ملکہ بلقیس سے یہ نقطہ بھی واضح ہوتا ہے کہ قیادت کا باہمی مشاورت کے عمل کو پروان چڑھانا چاہیے تا کہ مختلف قافلوں کے نمائندوں کی آراء کا جائزہ لیا جا سکے اور متفق علیہ بات پر سبھی کو جمع کیا جا سکے جیسا کہ حضرت سلیمانؑ کے خط ملنے کے بعد ملکہ سبا نے اپنے سپہ سالاروں سے مشارت کی کہ آئندہ کے لیے کیا لائحہ عمل مرتب کیا جانا چاہیے کیونکہ اس سے قبل بادشاہوں کا یہ دستور رہا ہے کہ وہ جہاں سے بھی گزرتے ہیں، ہر شے کو تہہ و بالا کر دیتے ہیں۔ ان کی اس گفتگو کو قرآن حکیم میں مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ:

قَالَتْ یٰٓاَیُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِیْ فِیْۤ اَمْرِیْۚ-مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ[34]

ملکہ نے کہا: اے سردارو! میرے اس معاملے میں مجھے رائے دو میں کسی معاملے میں کوئی قطعی فیصلہ نہیں کرتی جب تک تم میرے پاس موجود نہ ہو۔

مذکورہ بالا واقعہ سے عیاں ہوتا ہے کہ مسلح افواج کا سربراہ جسے بھی منتخب کیا جائے اور ملکی و عسکری سطح پر جس قدر وسیع ذخائر موجود ہوں اور فتوحات کے تسلسل سے تاریخ بھری پڑی ہو اور نوجوانان ملت کی طرف سے جذبہ جہاد و ایثار و قربانی کی بے مثل و بے مثال داستانیں رقم کی گئی ہوں لیکن ان تمام کے باوجود سپہ سالار کو باہمی مشاورت کے عمل کو ہمیشہ پروان چڑھانا چاہیے اور اسی سے ہی کمانڈ اینڈ کنٹرول (Command and Control) کا مؤثر تاثر ابھر کر سامنے آتا ہے تا کہ فوج کی نچلی سطح تک اتفاق رائے پیدا ہو اور اہداف و مقاصد کے حصول میں انہیں ہم قدم بنایا جا سکے۔

خلاصہ بحث

یہ مقالہ قرآنِ حکیم کی روشنی میں عسکری طاقت کے استعمال اور توازن کے اصولوں کا جائزہ لیتا ہے۔ قرآن، جنگ و جدل کے معاملے میں نہ صرف واضح ہدایات فراہم کرتا ہے بلکہ طاقت کے استعمال کو اخلاقی دائرے میں محدود کرتا ہے۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق طاقت کا مقصد محض غلبہ نہیں بلکہ انصاف، دفاع، اور امن کا قیام ہے۔

نتیجۃ البحث

کسی بھی ریاست میں طاقت کے توازن کے لیے بنیادی عوامل میں معیشت، سیاست اور عسکری لحاظ سے جدید آلاتِ حرب وضرب و مضبوط اعصاب کی متحمل فوج کا بنیادی کردار ہوتا ہے۔ انہی پر ریاست کھڑی ہوتی ہے اور انہی کے سہارے وہ اپنی طاقت کا لوہا دنیا پر منوا سکتی ہے اور یہی تینوں ستون ہی اندرونی وبیرونی محاذ پر کامل امن وامان کی فضا کو قائم رکھنے کی ضمانت گردانے جاسکتے ہیں۔ ایسا ممکن نہیں ملکی ودفاعی انتظامات کو چلانے کے لیے کوئی معاشی ذریعہ نہ ہو اور پھر عسکری محاذ کھول دیا جائے۔ اسی طرح سیاست سے جڑے عناصر کا بھی کلیدی کردار ہوتا ہے کہ عوام اور اہل اقتدار واختیار کے درمیان شکوک وشبہات کی ایک گہری خلیج حائل ہو، امن وامان کی غیر یقینی صورت حال ہمہ وقت پریشان کیے رکھے اور پھر دشمن سے یکسوئی کے ساتھ پنجہ آزمائی بھی کی جائے۔ عسکری سطح پر انتظامی معاملات کے بارے میں کچھ ایسا ہی رویہ اپنایا جاتا ہے کہ انہیں عصری تقاضوں کے مطابق جدید اور مؤثر ہتھیاروں سے لیس کیا جاتا ہے تاکہ دشمن کی فکر وعزائم پر کاری ضرب لگائی جاسکے۔

دیگر جہات سے صرف نظر کرتے ہوئے صرف عسکری طاقت میں توازن پیدا کرنے پر بات کی جائے تو عصر حاضر میں کسی بھی ریاست کے لیے صرف جدید ٹیکنالوجی سے لیس ہتھیاروں کا بھاری ذخیرہ جمع کرلینے پر سرحدوں کو محفوظ شمار کرلینا اور فتح وشکست کا فیصلہ کرنا ممکن نہیں کیونکہ اس وقت آلات حرب وضرب کے ساتھ ساتھ دشمن شش جہات سے حملہ آور ہے۔ وہ پراکسیز کے ذریعے ملکی سرحدوں کے اندر خون خرابے کو بھی بڑھاوا دیتا ہے اور نوجوانان کو سوشل میڈیا کے ذریعے فکری اضطراب میں مبتلا کرکے انہیں ملک وقوم کے خلاف متنفر کرنے میں بھی مصروف عمل ہے۔ ملک وقوم کے اندر ہی سے اپنی مطلوبہ فکر کے حامل افراد کو ڈھونڈ کر اسی ریاست کے خلاف استعمال کیے جارہا ہے اور نوخیز اذہان، ان کی چالوں کا خوشدلی سے شکار ہوتے جارہے ہیں۔

لہٰذا ہر جہت پر کامل یکسوئی سے توجہ مرکوز کی جانی چاہیے تبھی جاکر شبانہ وروز محنت سے دشمنوں کے عزائم کو ناکارہ بنایا جاسکتا ہے جس کے لیے اتحاد واتفاق کی فضا پیدا کرنی پڑے گی اور نوجوانان ملت کو آگاہی کی مہم چلاکر خبردار کیا جانا چاہیے تاکہ وہ ریاست مخالف سرگرمیوں کا حصہ نہ بنیں جس کا بین ثبوت 10 مئی 2025ء کو پاکستان بھارت کے درمیان ہونے والا معرکہ حق وباطل ہے جس کے ذریعے دشمن کو نہ صرف ہتھیاروں سے کاری ضرب لگائی گئی بلکہ جدید ٹیکنالوجی کو بروئے کار لاتے ہوئے دیگر ذرائع سے بھی خاصا نقصان پہنچایا گیا اور بھارت کو دنیا میں سبکی کا سامنا کرنا پڑا جبکہ پاکستان کا مقام ومرتبہ ہر گزرتے دن کے ساتھ بلند سے بلند تر ہوتا جارہا۔ مختصراً کہا جائے تو بقول علامہ اقبالؒ

میں تجھ کو بتاتا ہوں تقدیر اُمم کیا ہے۔ شمشیر وسناں اول، طاؤس ورباب آخر[35]

مصادر و مراجع:

[1] ۔البقرۃ2:250

[2] ۔البقرۃ2:251

[3] ۔الحج22:40

[4] ۔النور24:55

[5] ۔الحج22:41

[6] ۔المآئدہ5:2

[7] ۔النسآء4: 59

[8] ۔بخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل۔ صحیح بخاری۔ مصر: السلطانیہ بالمطبعہ الکبریٰ الامیریہ 1311ھ۔ ج9، ص62، رقم الحدیث7142

[9] ۔آل عمران3:103

[10] ۔الکہف18:97

[11] ۔الانفال8:60

[12] ۔الحجرات49:6

[13] ۔الانفال8:39

[14] ۔الحجرات49:10

[15] ۔الانفال8:60

[16] ۔الانفال8:46

[17] ۔النجم53:39

[18] ۔الحجرات49:9

[19] ۔الانفال8:61

[20] ۔آل عمران3 :140-139

[21] ۔الاعراف7:56

[22] ۔النحل16:126

[23] ۔الانفال8:60

[24] ۔بنی اسرائیل17:34

[25] ۔التوبہ9:4

[26] ۔الانفال8:72

[27] ۔التوبہ9:7

[28] ۔التوبہ9:12

[29] ۔البقرۃ2:274

[30] ۔النمل27:33

[31] ۔النمل38:27

[32] ۔النمل37:27

[33] ۔البقرۃ30:2

[34] ۔النمل32:27

[35] ۔علامہ محمد اقبالؒ۔بال جبریل۔انڈیا: اسلامک بک فاؤنڈیشن نئی دہلی2012ء، ص91